نئی صدی کے اردو افسانوں میں عالمی مسائل

ڈاکٹر محمد محسن
کروڑی مل کالج، دہلی

ملخص

بیسویں صدی کی نوویں دہائی تھی جب جدیدت کا خاتمہ ہوا اور افسانہ نگار جدیدیت کی قید و بند سے آزاد ہوئے۔ اب افسانہ نگاروں نے اپنی ذات سے نکل کر دنیا کا جائزہ لیا، جہاں بے شمار مسائل سر اٹھائے ہوئے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک ادیب اپنے سماج کا ناصح ہوتا ہے مگر جیسے جیسے وقت آگے بڑھ رہا تھا ویسے ویسے جہاں کے کونے کونے کی دوریاں مٹ رہی تھیں۔ آفاقی گاؤں کا نظریہ بڑی تیزی سے پھیل رہا تھا۔ اس وقت ہمارے افسانہ نگاروں کے سامنے اپنے وطن اور سماج کے لامحدود مسائل تھے۔ ان کا پہلا فرض اپنے ملک اور سماج کی رہنمائی تھا لہٰذا یہ فرض انہوں نے بخوبی نبھایا۔ لیکن جب بھی کوئی عالمی سطح پر واقعہ، حادثہ یا تبدیلی رونما ہوتی تو ہمارے افسانہ نگار بھی قلم اٹھا کر اپنی موجودگی کا احساس دلاتے۔ یہاں یہ بات بھی قابل غور ہونی چاہیے کہ جدیدیت نے افسانے کو سماج کی جھولی سے نکال کر انفرادیت کی جھولی میں ڈال دیا تھا۔ اس لئے سماجی و ملکی مسائل سے افسانہ بالکل الگ ہو چکا تھا۔ ۱۹۸۰ء میں جب جدیدیت کا خاتمہ ہوا تو افسانہ نگاروں کے سامنے اتنے مسائل تھے کہ ان کو ایک ایک کر کے سمیٹنا بڑا مشکل ہو گیا تھا۔ اس لئے افسانہ نگار عالمی سطح کے مسائل کی طرف زیادہ توجہ نہ دے پائے۔

☆☆☆☆

اکیسویں صدی تک آتے آتے دنیا کے زیادہ تر ممالک خطرناک جنگی ہتھیاروں اور ایٹمی ہتھیاروں کے مالک بن چکے تھے۔ اس کے علاوہ سائنس اور ٹکنولوجی کی مدد سے دوریاں دن بہ دن مٹتی جا رہی تھیں۔ امریکہ کے ظالمانہ تسلط سے پوری دنیا متاثر ہو رہی تھی۔ ایٹمی ممالک اپنی قوت کے بل پر ایک دوسرے پر دھاڑنے لگ گئے اور دنیا کو خطرناک جنگ کا شبہ ہونے لگا۔ دوسری طرف سائنس اور ٹکنولوجی کی ترقی کی وجہ سے ماحولیات کا نظام

درہم برہم ہونے لگا۔آلودگی پھیلنے لگی جس سے کئی خطرناک بیماریوں نے جنم لیا۔اسی طرح جہاز، ٹیلی وژن اورفون کے ذریعے عالمی سطح پرعوام کے درمیان نزدیکیاں بڑھنے لگیں۔یعنی پوری دنیاایک گاؤں کی صورت اختیار کرنے لگی ۔عالمی تعلقات کا یہ سلسلہ کافی تیزی سے ترقی کی منزلیں طے کررہا تھا۔

بیسویں صدی کا خاتمہ ہواتو اکیسویں صدی کے آغاز میں ہی تاریخ کے مسئلے نے جنم لیااس کے ساتھ ہی دوسرامسئلہ یہ سامنے آیا کہ اکیسویں صدی کا آغاز ۲۰۰۰ء سے ہوتا ہے یا۲۰۰۱ء سے۔یہ دونوں مسئلے نئی صدی کے بالکل پہلے دن کے ہیں۔اب سوچئے صدی کے پہلے ہی دن لوگ الجھن میں پڑ گئےتو آنے والا وقت کس نہج کا ہوگا ۔وہ سلسلہ جو بیسویں صدی کے آخر میں شروع ہوا تھا وہ آہستہ آہستہ اکیسویں صدی میں مکمل ہونے لگا۔ایٹمی ہتھیاروں میں زیادہ ترممالک نے کامیابی حاصل کرلی،جنگی ہتھیاروں سے فوجیں اورمضبوط ہوگئیں، ٹیلی فون کے بجائے موبائل فون ہرگھر تک پہنچ گئے ،رہی سہی کسر ٹی وی نے پوری کردی ،انٹرنیٹ اورکمپیوٹر کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ یہاں تک تو معاملہ ٹھیک تھامگر ترقی اور کامیابی جتنی بڑی ہوتی ہےاس کا دوسرا پہلوا تنا ہی خطرناک ہوتا ہے۔ان چیزوں کے برے اثرات بھی دنیانے دیکھے۔آلودگی اوروائرسز کی بدولت ماحولیات میں خطرناک تبدیلی آنے لگی جس کی وجہ سے کئی خطرناک بیماریاں پھیل گئیں ،ایٹمی ہتھیاروں کی وجہ سے پورے دنیا پر خطرے کے بادل منڈلانے لگے۔گویاایک جنگ ہوئی تو پوری دنیا منٹوں میں ختم ہوسکتی ہے۔ان سب کے علاوہ دہشت گردی کی حرکات میں بھی اضافہ ہوتا گیا جس کی وجہ سے بڑے بڑے حادثات وواقعات دنیانے برداشت کئے۔عالمی سطح پر امریکہ کا کرداربھی دنیا کے لئے پریشانی کا باعث بنارہا۔ان تمام چیزوں کوذہن میں رکھتے ہوئے ایک عام انسان کیسے چین کی سانس لے سکتا ہے۔ان عالمی مسائل کے اثرات ہرانسان پر پڑے۔چونکہ دنیاانٹرنیٹ اورٹکنولوجی کی مدد سے گلوبل ویلیج کی صورت اختیار کرچکی تھی۔اب ہمارے ادیب بھی سماجی اوروطنی مسائل کے علاوہ عالمی مسائل کی طرف متوجہ ہوچکے تھے۔بیسویں صدی کے مقابلے میں اکیسویں صدی کے آغاز سے ہی ہمارے افسانہ نگاروں نے عالمی مسائل کواپنی توجہ کا مرکز بنایا۔آج اگراکیسویں صدی کے افسانوں کاغور سے جائزہ لیا جائےتو عالمی سطح پر واقع ہونے والے ہرواقعے،حادثے،تبدیلی اورمسئلے پر ہمارے ہاں کئی کئی افسانے ملیں گے۔مندرجہ ذیل ہم چند عالمی مسائل کے پس منظر میں اردوافسانوں کا جائزہ لیں گے۔

اکیسویں صدی کا سب سے بڑامسئلہ ملکوں کا ایٹمی ہتھیاروں اور باقی خطرناک جنگی ہتھیاروں کی دوڑ میں ہرکسی سے آگے نکلنے کا ہے۔اس دوڑ کا مقصد ملکی طاقت کو بڑھانا ہے۔بہت سارے ممالک ایٹمی ہتھیاروں کے گڑھ بن چکے ہیں۔ایٹمی ہتھیاروں کے علاوہ سائنس نے اوربھی بے شمار ایسے ہتھیار ایجاد کیے ہیں جو چند سیکنڈ میں ایک بڑے علاقے کواپنی ضد میں لے سکتے ہیں۔اب اتنے خطرناک ہتھیار ہونے کے باوجود ملکوں کی آپس

میں رنجشیں اور خطرناک بیان بازی ایک عام انسان کو کہاں چین سے سونے دے سکتے ہیں۔اس حوالے سے انتظار حسین کا افسانہ ''مورنامہ'' کافی اہم ہے۔اس افسانے کا موضوع راجستھان میں کئے گئے ایٹمی تجربے ہیں۔ایٹمی ملک بننا تو اچھی بات ہے مگر یہ کہاں کی بہادری ہے کہ ان کے تجربات وہاں ہوں جہاں جانوروں اور پرندوں کی بستیاں آباد ہوں۔دنیا کی اس رساکشی میں جانوروں اور پرندوں کا خاتمہ اس افسانے کا موضوع ہے۔اس کے علاوہ مصنف نے دنیا کے باقی ممالک میں ہو رہی تباہی کے سے بھی قارئین کو روشناس کروایا ہے۔

محمد حامد سراج نے اپنے افسانہ ''گلوبل ویلج'' کے ذریعے ایٹمی ہتھیار ایجاد کرنے اور ان کے ذخائر جمع کرنے کے عمل پر طنز کیا ہے۔اس افسانے کا موضوع امریکہ کی وہ نیوکلیر حکمت عملی ہے جس کے ذریعے اس نے ایٹمی ہتھیاروں کی ضرورت کے متعلق اپنی پالیسی دنیا کے سامنے پیش کی تھی۔جلانی بانو کا افسانہ ''عباس نے کہا'' عراق میں ہونے والی جنگ کو موضوع بناتا ہے۔یہ افسانہ ریڈیائی تکنیک میں لکھا گیا ہے۔اس افسانے میں نیوز رپورٹرز کے ذریعے جنگ کا آنکھوں دیکھا حال بیان کیا گیا ہے اور جنگ کی حولناکی اور تباہی کو ظاہر کیا ہے۔اسی موضوع پر فردوس حیدر کا افسانہ ''خالی ہوا یہ دل'' امراو طارق کا ''آتش فشاں کی گود میں'' وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

عالمی سطح پر ایک اہم مسئلہ دہشت گردی کا ہے اور اس صدی کے آغاز میں ہی دہشت گردوں کی حرکات میں کافی اضافہ دیکھنے کو ملا ہے۔امریکہ میں نائن الیون کا حملہ ہو یا ہندوستان کے تاج ہوٹل کا حملہ یا پھر پاکستان میں اسکولی بچوں کا قتل دہشت گردوں کے خطرناک منصوبے دنیا نے دیکھے ہیں۔دہشت گردی کے پیچھے اگرچہ بین الاقوامی سطح پر بڑی بڑی تنظیموں کے ہاتھ ہیں مگر ساری ذلت اسلام کو برداشت کرنی پڑ رہی ہے۔دہشت گردی کے موضوع پر خالدہ حسین کا افسانہ ''ابن آدم'' کافی اہمیت کا حامل ہے۔یہ افسانہ امریکہ عراق جنگ کے تناظر میں لکھا گیا ہے۔اس افسانے میں عام انسانوں کا دہشت گردی کا روپ اختیار کرنے کا پس منظر دکھایا ہے اور اس کا انجام بھی ظاہر کیا ہے۔انتظار حسین کا افسانہ ''ریز روسیٹ'' بھی دہشت گردی کے موضوع پر لکھا گیا ہے مگر اس افسانے میں دہشت گردوں کا دوسرا روپ دکھایا ہے۔یہ دہشت گردی لا مذہب ہے۔اس افسانے کے آخر میں جس طرح دہشت گرد منہ ڈھانپ کر ایک مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے لوگوں پر حملہ کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بے رحمی کی آخری حدوں سے گزر چکے ہیں۔اسی موضوع پر زاہد حنا کا افسانہ ''رقص بسمل'' بھی ہے۔

ماحولیات کی خرابی بھی عالمی سطح پر ایک بڑا مسئلہ ہے۔دنیا جتنی ترقی کی طرف بڑھ رہی ہے اتنے ہی اس کے برے اثرات ماحولیات پر پڑ رہے ہیں۔آبادی پھیل رہی ہے جنگلات سکڑ رہے ہیں، کارخانوں اور مشینوں سے آلودگی اور گندہ پانی تیزی سے پھیلتا جا رہا ہے، سائنس اور ٹکنالوجی کی وجہ سے کئی طرح کی خطرناک وائرسز جنم لے رہی ہیں وغیرہ ان تمام چیزوں کی بدولت کئی خطرناک بیماریاں جنم لے چکی ہیں، پینے کا صاف پانی

غائب ہوتا جارہا ہے، ٹیمپریچر تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ یہ سب مسائل ترقی کا دوسرا پہلو ہیں۔ نئی صدی کے افسانہ نگاروں نے اس موضوع پر بھی قلم اٹھایا۔ اس حوالے سے سب سے اہم نام محمد فرقان سنبھلی کے افسانہ'' آب حیات '' کا ہے۔ اس افسانے کا موضوع ماحولیات کی خرابی کی وجہ سے پینے کے پانی کا دن بہ دن گھٹنا ہے۔ اس افسانے میں مرکزی کردار عادل کے جہاز کو ایک خاتون اپنے سیارے پر لے جاتی ہے۔ یہاں سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی اس قدر عروج پر تھی کہ لوگ ہواؤں میں اڑتے تھے۔ مگر ایک چیز کے لئے پوری دنیا تڑپتی تھی اور وہ چیز پانی تھا۔ پانی کی جگہ یہ لوگ گیسز کا ستعمال کرتے تھے۔

ماحولیات کے موضوع پر ایک افسانہ مہتاب عالم پرویز کا '' کارواں'' کافی اہم ہے۔ یہ افسانہ ماحولیات کے برے اثرات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ افسانے کا مرکزی کردار سعودی عرب میں اونٹیں چرانے کا کام کرتا ہے اور وہاں گیس کے ذریعے ہونے والی تباہی افسانے کا موضوع ہے۔ اختر آزاد کے افسانے'' پانی'' کا موضوع بھی پانی کی آلودگی ہے۔ حامد سراج کا افسانہ'' میکینک کہاں گیا'' WHO کی پالیسوں پر طنز کرتا ہے۔ اسلم جمشید پوری کا افسانہ'' پانی اور پیاس'' پانی کی قلت اور اہمیت پر بڑا عمدہ افسانہ ہے۔

فرقہ وارانہ تعصب بھی عالمی سطح پر ایک بڑا مسئلہ ہے۔ اس تعصب کی وجہ سے انسانی تاریخ میں بڑی بڑی جنگیں ہو چکی ہیں۔ یہ مسئلہ ازل سے اب تک برقرار ہے۔ اور اس صدی میں فرقہ وارانہ تعصب میں اور بھی اضافہ دیکھنے کو ملا ہے۔ عراق، ایران، فلسطین، رہنگیا وغیرہ میں جو تباہی آئی ہے اس کا ذمہ دار یہی فرقہ وارانہ تعصب ہیں۔ اس موضوع کے حوالے سے ایم موبین کا افسانہ'' نئی صدی کا عذاب'' کافی اہمیت کا حامل ہے۔

اس افسانے میں انہوں نے بڑی بہادری سے اس دور کے ظالموں کو بے نقاب کیا ہے۔ دہشت گردی کے نام سے مسلمان کیوں بدنام ہیں۔ آخر اس بدنامت کا خاتمہ کیوں نہیں ہو رہا۔ ہر مسلمان کو شک کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے۔ افسانے کی ایک مثال ملاحظہ ہو:

> '' داڑھی والا۔۔۔''
>
> '' پکڑو! اسے بچ کے جانے نہ پائے''
>
> '' مارو اسے مارو۔۔۔۔۔ یہ دہشت گرد ہے، اس ساری تباہی کا ذمہ دار ہے''
>
> (افسانہ۔نئی صدی کا عذاب۔ایم موبین)

اسی موضوع کے حوالے سے محمد ارشد کسانہ کا افسانہ'' شرنارتھی'' بھی اہم ہے جس کا موضوع رہنگیا میں

ہونے والے فسادات ہیں ۔نئی صدی میں فرقہ پرستی کا سب سے بڑا واقعہ دنیا نے برما میں دیکھا۔ برما میں بودھ مذہب کے ماننے والے اکثریت میں ہیں اور وہاں مسلمانوں کی آبادی نہایت ہی کم ہے ۔ جب وہاں فرقہ پرستی نے قدم رکھا تو اس کے نتائج وہاں کے مسلمانوں کو بھگتنے پڑے۔فرقہ پرستی کی اس آگ نے جلد ہی وہاں طوفان برپا کر دیا۔مسلمانوں کا قتل عام ہونے لگا۔اسی وجہ سے مسلمانوں نے برما سے ہجرت کرنی شروع کر دی۔ مگر دنیا کے کسی بھی ملک نے رہنگیا مسلمانوں کو نہیں اپنایا۔اس پورے منظر کو ہم افسانہ ''شرنارتھی'' میں دیکھ سکتے ہیں۔اسلم جمشید پوری کا افسانہ ''عید گاہ سے واپسی''فرقہ پرستی کے حوالے سے ایک عمدہ مثال ہے حالانکہ اس افسانے کا تعلق بابری مسجد کی شہادت کے بعد ہندوستان میں پیدا ہونے والے وہ حالات ہیں جنھوں نے پورے ملک میں فرقہ پرستی کی زہریلی ہوا پھیلا دی تھی۔اسلم جمشید پوری کا افسانہ ''عید گاہ سے واپسی'' پریم چند کے افسانے'' عیدگاہ'' کی توسیع ہے۔ پریم چند کے افسانے ''عید گاہ'' کا مرکزی کردار سات سالہ حامد ہے اور اسلم جمشید پوری کے افسانے'' عید گاہ سے واپسی'' کا مرکزی کردار وہی حامد ہے مگر اب اس کی عمر ستر سال ہے۔ان حالات میں حامد اپنے پوتے کے ساتھ دوسرے گاؤں میں عید کی نماز ادا کرنے جاتا ہے۔ بابری مسجد کی شہادت کے بعد پورے بھارت میں نفرت کی آگ پھیلی ہوئی تھی۔حامد اور اس کا پوتا عید کی نماز پڑھ کر واپس لوٹ رہے تھے کہ اچانک اس فرقہ پرستی کی وجہ سے فسادات شروع ہو گئے اور پھر اسی فسادات کی زد میں دادا پوتا بھی آ گئے یوں ان دونوں کی موت ہو گئی۔حامد پریم چند کے افسانے کا کردار تھا جسے اسلم جمشید پوری نے اپنے افسانے میں ستر سال کا بزرگ بنا کر فرقہ پرستی کی آگ میں جلا دیا۔ یہ ایک ایسا مسلہ ہے جس نے آہستہ آہستہ پوری دنیا کو برباد کر دیا ہے۔کشمیر، فلسطین، عراق، ایران، روہنگیا وغیرہ جیسی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔اس افسانے کے علاوہ اس موضوع پر نئی صدی میں بے شمار افسانے لکھے گئے ہیں۔

نئی صدی میں ایک اور مسئلہ بڑی تیزی سے ابھرا ہے اور وہ ہے قدروں کا زوال۔آج ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا بھر میں پرانی تہذیبیں مٹتی جا رہی ہیں، بزرگوں کو نظر انداز کیا جا رہا ہے،لوگوں میں احساس ختم ہو رہا ہے، روایت آخری سانس لی رہی ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے مگر نئی صدی میں پوری دنیا کے اندر اس مسلے نے بڑی سنجیدگی سے سر اٹھایا ہے۔ان مٹتی قدروں اور انسان کی لاپرواہی کے پیچھے سب سے بڑا ہاتھ انسان کی مصروفیات کا ہے۔ جہاں اردو ادب نے اس موضوع کو خاص طور پر اٹھایا ہے وہیں اردو افسانوں میں بھی اس مسئلہ کو ہم بڑی تعداد میں دیکھ سکتے ہیں۔نئی صدی میں اس مسئلہ پر بے شمار افسانے لکھے گئے ہیں۔اس حوالے سے ہم شاہد اختر کا افسانہ ''مونٹی'' کو مثال کے طور پر پیش کر سکتے ہیں۔ یہ افسانہ ایک ایسی عورت کی ترجمانی کرتا ہے جو ایک متوسط طبقے سے تعلق رکھتی ہے اور نہایت عزت اور ایمانداری سے اپنی زندگی گزارتی ہے۔لیکن اپنی ذمہ

داریاں نبھانے میں اس قدر مصروف رہتی ہے کہ وہ اپنی شادی کی عمر کا خیال ہی بھول جاتی ہے۔آج دنیا جس قدر ترقی کی چاہ اور لالچوں میں مصروف ہے اسی وجہ سے اپنی تہذیب، اپنی روایت، اپنے بزرگوں وغیرہ کو انسان بھولتا جارہا ہے۔اوراس کے ساتھ ساتھ وہ اپنی زندگی کو بھی نظرانداز کرتے جارہے ہیں۔

اسی موضوع کے حوالے سے اختر آزاد کا علامتی افسانہ ''بابل کا مینار'' بھی کافی اہم ہے اس افسانے میں افسانہ نگار نے دنیا کی اس ترقی کو بے نقاب کیا ہے جس کی راہ پر لوگ اس طرح گامزن ہوچکے ہیں کہ ساری قدریں، سارے احساسات بھول کر وہ اپنی ترقی میں محو ہوچکے ہیں۔اور یہی وجہ ہے کہ وہ قدرت کے ساتھ کھلواڑ کا کام کررہے ہیں۔اس کا انجام یوں دکھایا ہے کہ وہ مینار جس کو بنانے میں ان کو بہت محنت کرنی پڑی ایک ہی لمحے میں ٹوٹ کر بکھر جاتا ہے اس کے علاوہ بھی اس مسئلہ پر بے شمار افسانے نئی صدی میں لکھے گئے ہیں۔

مذکورہ بالا مختصر جائزے سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اردو افسانہ نگاروں نے آفاقی گاؤں کے نظریے کو کس طرح سے اپنایا ہے۔اکیسویں صدی میں عالمی مسائل کی گونج زیادہ رہی ہے اور یہ مسائل ہر خاص و عام کے لئے زیادہ اہمیت اس لئے رکھتے ہیں چونکہ ان کا برائے راست تعلق آنے والی نسلوں سے ہے۔اس لئے ہر ادیب کا فرض ہے کہ وہ اپنی تخلیقات کا موضوع ان مسائل کو بنائے جو موجودہ اور آنے والی دونوں نسلوں کے لئے کارآمد ہوں۔اب جیسے جیسے آفاقی گاؤں کا نظریہ جڑ پکڑتا جارہا ہے ویسے ویسے اردو افسانہ نگاروں کے موضوعات بھی پھیلتے جارہے ہیں۔امید ہے آنے والے وقت میں عالمی مسائل کو مزید توجہ کا مرکز بنایا جائے گا۔